از پروفیسر محمد اسلم صاحب
صدر شعبۂ تاریخ
پنجاب یونیورسٹی

صوفی حمید الدین ناگوریؒ کی تصنیف سرور الصدور کی تاریخی اہمیت

سلطان التارکین صوفی حمید الدین سوالی ناگوری کا شمار چشتیہ سلسلہ کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ دارا شکوہ اُن کے بارے میں لکھتا ہے کہ متقدم مشائخ میں اُن کا بڑا اونچا مرتبہ ہے۔ وہ علم ظاہری اور باطنی کے جامع اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ خدا نے اُن کو بڑا بلند مرتبہ عطا کیا تھا[1]۔ موصوف نے کافی طویل عمر پائی اور ایک روایت کے مطابق اُن کی سلطان المشائخ سے ملاقات بھی ثابت ہے[2]۔ اُن کے ملفوظات "سرور الصدور" کے مطالعہ سے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی دینی، سیاسی اور سماجی زندگی کے کئی اہم گوشے بے نقاب ہوتے ہیں۔

نام و نسب

ابو محمد کنیت[3]، حمید الدین نام، صوفی لقب اور سلطان التارکین خطاب تھا۔ یہ خطاب اُن کے مرشد خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ نے انہیں عطا کیا تھا۔ شہزادی جہاں آرا بیگم رقمطراز ہے کہ خواجہ بزرگ نے اُنہیں مخاطب کر کے فرمایا تھا:۔

التارک الدنیا والفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین[4]۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں اُن کا شجرۂ نسب یوں درج کیا ہے:۔

---

[1] دارا شکوہ، سفینۃ اولیاء، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء ص ۱۲۹

[2] عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری آذر کلکشن، ورق ۵۶ ب
"گویند کہ درمیان او وحضرت سلطان المشائخ ملاقات واقع شدہ"

[3] ایضاً ورق ۵۶ الف

[4] جہاں آرا بیگم، مونس الارواح، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، آذر کلکشن، ورق ۳۷ ب۔

حمیدبن احمدبن محمدبن ابراہیم بن محمدبن سعید[5]۔

سلطان التارکین کا سلسلۂ نسب حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیّد نا سعید بن زیدؓ
(جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے) جاملتا ہے[6]۔ سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ اُن کے والد
لوار لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ جس وقت لاہور میں کافروں کا عمل دخل شروع ہُوا تو موصوف دہلی چلے
ئے اور یہاں آکر انہوں نے ایک مستعرب[7] کی بیٹی سے شادی کرلی[8]۔ سلطان التارکین کے نانا منجم تھے
ہنوں نے اپنی بیٹی کو اُن کی ولادت کی خبر سُنائی تھی۔ اُنہوں نے اپنی بیٹی کو اُن کی بعض نشانیاں بھی
ی تھیں لیکن وہ خود اپنے عظیم المرتبت نواسے کی ولادت سے قبل ہی فوت ہوگئے تھے[9]۔ سلطان التارکین
زیہ انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے دہلی پر قبضہ کے بعد سب سے پہلے جو
یدا ہُوا وہ موصوف ہی تھے[10]۔

علیم وتربیت

بھارت کے نامور مؤرخ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی مشہور تصنیف
"بزم صوفیہ" میں خواجہ معین الدین حسن اجمیری کے خلفاء میں ان کا محض نام
پر ہی اکتفا کیا ہے اور اتنے اہم بزرگ کے حالات زندگی لکھنے مناسب نہیں سمجھے[11]۔ شیخ محمد اکرام
اپنی تصنیف "آب کوثر" میں صرف ڈیڑھ صفحہ ان کے لیے مخصوص کیا ہے[12]۔ ہمارے خیال میں مؤرخین
سلطان التارکین کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ان کے بچپن اور تعلیم و تربیت کے بارے میں اُن کے

عبدالحئی لکھنوی۔ نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۷ء ج ۱۔ ص ۱۸۵۔

جہاں آرا بیگم۔ مونس الارواح، ورق ۳۸ ب۔

عرب میں جو غیر عرب آباد ہوگئے تھے وہ مستعرب کہلاتے تھے۔

سرور الصدور، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، فارسی تصوف

۲۱/۱۶۱ ۔ ورق ۷۔

ایضاً

ایضاً "اول کسے کہ بعد از اسلام در دہلی زادہ شد، من بودم"

سید صباح الدین عبدالرحمان۔ بزم صوفیہ، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء

ص ۶۱۔

محمد اکرام۔ آب کوثر۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ص ۲۳۶، ۲۳۷۔

تمام سوانح نگار خاموش ہیں۔ تاہم اتنا ظاہر ہے کہ دہلی اور ناگور، جہاں اُن کی زندگی کا بیشتر حصّہ گزرا، علم و ادب کے گہوارے تھے۔ انہوں نے اس تعلیمی ماحول میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہوگی۔ سرور الصدور سے کے دیباچہ میں اُن کے ایک استاد مولانا شمس الدین حلوائی کا نام ملتا ہے[۱۳]۔ سرور الصدور کے اندراجات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے مطالعہ میں بڑے اعلیٰ پایہ کی علمی کتابیں رہتی تھیں۔ جس سے اُن کے اعلیٰ علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

محمد غوثی مندوی لکھتا ہے کہ سلطان التارکین عارفانہ مذاق رکھتے تھے اور ان کی یہ رُباعی ان کے عارفانہ مذاق اور سخن سنجی کی آئینہ دار ہے۔

اے دوست دل خستہ ہوائی تو گرفت ‌ ‌ ‌ ‌ در باغ وفائی تو نوائی تو گرفت !
ہر چند کہ بگذاشت برائی تو بگذاشت ‌ ‌ ‌ ‌ ہر چند کہ بگرفت برائی تو بگرفت[۱۴]

سلطان التارکین کثیر التصانیف بزرگ تھے[۱۵]۔ ان کی تصانیف میں "اصول الطریقہ" بڑی مشہور ہے۔ کتاب شیخ عبدالحق محدّث کے زمانے تک موجود تھی اور انہوں نے اس کے طویل اقتباسات اخبار الاخیار میں دیئے ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں علمی انداز میں بڑی اُونچی سطح پر تصوف پر بحث کی گئی ہے۔

توبہ اور بیعت

مولانا جمالی کی روایت ہے کہ سلطان التارکین نوجوانی میں بڑے خوب صورت تھے اور جو عورت اُنہیں دیکھتی وہ دل و جان سے اُن پر فریفتہ ہو جاتی۔ جب اُنہوں نے خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو اُن کی زندگی میں انقلاب آ گیا[۱۶]۔ امیر حسن سجزی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ تائب ہو گئے تو اُن کے پرانے عیش پرست ساتھی اُن کے پاس آئے اور اُنہیں دوبارہ گناہ کی زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دینے لگے۔ اُن کی باتیں

---

[۱۳] سرور الصدور، ورق ۱۱۔

[۱۴] محمد غوثی مندوی، گلزار ابرار، مخطوطہ جان ریلینڈ لائبریری مانچسٹر فارسی ۱۸۵۔ ورق ۲۰ ب۔

[۱۵] عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، ورق ۵۸ الف۔
"او را تصنیفات و اشعار و مکتوبات بسیار است"۔

[۱۶] مولانا جمالی، سیر العارفین، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، پیرزادہ کلکشن، ورق ۹ الف۔ب

سُن کر حضرت نے فرمایا کہ وہ اب ایسا نہیں کر سکتے۔ جب اُن کے ساتھیوں نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا ؎

ایں آزار بند خود را من چناں	"مَیں نے اپنا یہ آزار بند اتنا کس کر باندھ لیا
محکم بستہ ام کہ فردای قیامت	ہے کہ قیامت کے روز جنت کی حُوروں
بہ حُوران بہشت ہم نکشایم۔[17]	کے لیے بھی نہیں کھولوں گا"

طلبِ خُدا

شہزادی جہاں آرا بیگم لکھتی ہیں کہ ایک روز خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ بڑے اچھے مُوڈ میں تھے۔ اُنھوں نے اپنے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ درِ حاجت کُھلا ہُوا ہے جس نے جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے۔ حضرت کے ارشاد پر کسی نے دُنیا مانگی اور کسی نے دین۔ خواجۂ بزرگ نے سلطان التارکین کی طرف رُخ کر کے فرمایا:

می خواہی کہ در دین و دُنیا معزز و	"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دین اور دُنیا
مکرم باشی ؟	میں معزز اور مکرم رہو ؟"

تو سلطان التارکین نے عرض کیا

بندہ را خواہش غیب شد۔ خواست	"بندے کی خواہش ہی ختم ہو گئی ہے۔ اب
خداوند تعالےٰ است ۔[18]	صرف خدا کی طلب ہے"

طرزِ بُود و باش

سلطان التارکین ایک عام دیہاتی کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا رہن سہن دیکھ کر ابتدائی دور میں برصغیر میں بسنے والے دیہاتیوں کی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سُوال میں اُن کے تصرف میں بقول امیر خورد کرمانی ایک بیگھ زمین تھی۔[19] جہاں آرا بیگم نے اس زمین کا رقبہ "یکد و طناب" بتایا ہے[20]۔ جمالی نے ان کی مملوکہ زمین کا رقبہ "دہ جریب" لکھا ہے[21]۔ اس اختلاف کے باوجود یہ ظاہر ہے کہ اُن کے قبضے میں اتنی تھوڑی

---

[17] حسن سجزی، فوائد الفواد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۴۶

[18] جہاں آرا بیگم، مونس الارواح، ورق ۳۷ ب۔

[19] امیر خورد کرمانی۔ سیر الاولیار، مطبوعہ دھلی ۱۳۰۲ھ، ص ۱۵۶

[20] جہاں آرا بیگم، مونس الارواح، ورق ۳۸ الف ۔

[21] جمالی، سیر العارفین، ورق ۹ ب

زمین تھی کہ اُن کا گزارہ بمشکل ہوتا تھا۔

اُن کے سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت نصف زمین میں خریف کی اور بقیہ نصف میں ربیع کی فصل بوتے تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس سے یہ مُراد لیتے ہیں کہ اُس زمانے میں ادل بدل کر فصلیں بونے کے طریقے سے لوگ واقف نہ تھے۔ اس لیے وہ آدھی زمین میں ایک موسم میں فصل بوتے تھے اور بقیہ نصف زمین میں دوسرے موسم میں بوتے تھے[22]۔ حضرت کے قبضہ میں اتنی تھوڑی زمین تھی کہ وہ ہل چلانے کے لیے بیلوں کی جوڑی بھی نہ رکھ سکتے تھے۔ وہ بیلچے سے زمین کھودتے اور اس میں غلّہ اور سبزیاں کاشت کرتے تھے[23]۔ آج ہمارے ہاں چشتیہ سلسلہ کے کتنے ایسے گدی نشین یا صُوفی ہیں جو اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے اپنی روزی کماتے ہیں؟ ان کے پاس ایک گائے بھی تھی، جس کا دودھ وہ خود ہی دوھ لیا کرتے تھے۔

امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں کہ ایک بار ناگور کے مقطع کو خبر ہوئی کہ سلطان التارکین بڑی عزبت اور تنگ دستی میں گزارہ کرتے ہیں تو اُس نے اُن کی خدمت میں کچھ نقدی بھیجی اور اُن سے التجا کی کہ وہ کچھ زمین لے لیں تو فراغت سے گزر بسر ہو۔ حضرت نے قاصد کو جواب دیا:

از خواجگان ما کسے این بابت قبول	وہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے تحفے
نکردہ است و این بیگھہ کہ ملک	قبول نہیں کئے۔ یہ ایک بیگھہ زمین جو میری
منست مرا کافی است ۔	ملک ہے میرے لیے کافی ہے"۔

شیخ نے نقدی بھی قاصد کے ہاتھ واپس بھجوا دی۔

ایک بار کسی درویش نے بادشاہ سے اُن کی تنگ دستی کا ذکر کیا تو اُس نے پانچ صد ٹنکے اور ایک گاؤں کا قبالہ اُن کی خدمت میں بھیجا۔ بادشاہ نے قاصد سے کہا کہ اس کی طرف سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ اُن کی خدمت میں عرض کرے کہ وہ یہ نذرانہ قبول کر لیں۔ اُس وقت اُن کی اہلیہ کے سر پر اوڑھنی نہ تھی اور وہ اپنے پیرہن کے دامن سے اپنا سر ڈھانپے ہوئے تھی

---

[22] خلیق احمد نظامی، مڈیول انڈیا، اے مسلینی، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۹ء ج ۱۔ ص ۳۰۱۔

[23] امیر خورد کرمانی، سیر الاولیاء ص ۱۵۶۔

"بدست مبارک خود بکلند راست کہ دے دچیزے بکاشتے"

[24] ایضاً۔ ص ۱۵۷ ؔ

اتفاق سے اُس وقت شیخ کی دھوتی بھی پھٹی ہُوئی تھی ۔ جب شیخ نے اس سے بادشاہ کے بھیجے ہوئے نذرانے کو قبول کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو اس نیک بخت نے کہا :-

اے خواجہ ! تو چہ می خواہی کہ فقر چندین سالہ خود را باطل کنی ۔ تو خاطر جمعدار من دو سیر ریسمان بدست خود رشتہ ام ۔ ازان مقدار جامہ خواہر شُد کہ ترا فوطہ و مرا دامنے مرتب شُد ۔ [25]	" اے خواجہ ! تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے استنے سالوں کے فقر کو خراب کرو ۔ تم اطمینان رکھو ۔ مَیں نے اپنے ہاتھوں سے دو سیر سُوت کاتا ہے اس سے اتنا کپڑا بن جائے گا کہ جو تمہاری دھوتی اور میرے دوپٹے کے لیے کافی ہو گا "

شیخ نے اپنی اہلیہ کا یہ جواب سُن کر قاصد سے کہا کہ انہیں بادشاہ کے فرستادہ نذرانے کی حاجت نہیں ہے ۔

سلطان التارکین ایسے مشائخ کے سخت مخالف تھے جو نذرانے قبول کر لیتے تھے یا مال جمع کرتے تھے ۔ انہیں شیخ بہاءالدین زکریا کے مال جمع کرنے پر بڑا اعتراض تھا اور اسی سلسلہ میں ان بزرگوں کے درمیان خط وکتابت رہتی تھی ۔ ناگور کا ایک تاجر ناگور سے کنجد لے کر ملتان جایا کرتا تھا اور ملتان سے روئی لا کر ناگور میں بیچا کرتا تھا ۔ وہ سلطان التارکین کے خط شیخ بہاءالدین زکریاؒ کے نام لے جاتا اور ان کے جواب لکھوا کر ناگور لاتا [26] حسن اتفاق سے یہ خط وکتابت ایک مخطوطے کی صورت میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے ۔

مشائخ چشت کے اکثر ملفوظات جعلی ہیں

چشتیہ سلسلہ کے مشائخ میں سے آپ پہلے بزرگ ہیں جو صاحب تصنیف ہیں [27] اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان سے پہلے جو ملفوظات کے مجموعے خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ، شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور بدرالدین اسحاق کی طرف منسوب ہیں وہ سب وضعی ہیں ۔ ہمارے خیال کی

---

[25] ایضاً ۔ [26] ایضاً ، ص ۱۵۸ ۔

[27] عبدالحیٔ لکھنوی ، نزھتہ الخواطر ، ج ۱ ، ص ۱۸۵

" وھو اول من صنف من المشائخ الچشتیہ ۔

[28] حمید قلندر ، خیرالمجالس ، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء ، ص ۵۲ ÷

تائید حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے :-

از مشائخ شجرۂ ما ہیچ شیخی تصنیفات نہ کردہ است۔[۲۸] — "وہ ہمارے شجرہ میں جن بزرگوں (کے نام) آتے ہیں اُن میں سے کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی"

حضرت چراغ دہلیؒ کے جانشین سید بندہ نواز گیسو درازؒ نے بھی ملفوظات کے ان مجموعوں کو "سر بسر ہمہ افترا است"، کہہ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے۔[۲۹]

سرور الصدور

سلطان التارکین کے ملفوظات "سرور الصدور" کا پورا نام "سرور الصدور و نور البدور" ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔[۳۰] اس کا ایک ناقص الطرفین مخطوطہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہے۔ راقم السطور نے علی گڑھ کے مخطوطے سے استفادہ کیا ہے۔ سرور الصدور کا متن بڑے سائز کے ۵۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ سرور الصدور کے مندرجات کی ترتیب غلط ہے کیونکہ بعض مجالس کی تاریخیں آگے پیچھے ہو گئی ہیں۔[۳۱] اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فاضل مرتبت نے امیر حسن سجزی، حمید قلندر یا سید محمد اکبر حسینی کی طرح ہر مجلس کی کارروائی کو باقاعدہ ترتیب نہیں دیا تھا۔ اور اپنے عظیم المرتبت دادا کی وفات (۱۲۷۲ء / ۶۷۳ھ) کے بعد جب وہ ان کے ملفوظات لکھنے بیٹھے تو اُن کے پیش نظر اپنے نوٹ اور یادداشتیں تھیں۔ اس لیے مجالس کی ترتیب آگے پیچھے ہو گئی ہے۔ زیر نظر مجموعہ میں حضرت کے ستائیس برسوں کے "فوائد، معارف اور لطائف" مندرج ہیں اور یہ کتاب ناگور کے مضافات میں ڈیہہ نامی ایک گاؤں میں مکمل ہوئی۔[۳۲]

سرور الصدور کے مرتب

سرور الصدور کے مرتب کا نام متن میں کہیں نہیں آیا اس لیے ہمارے مؤرخین ابھی تک اس کے مرتب کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں

---

۲۹ سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، ص ۱۳۴

۳۰ سرور الصدور، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، فارسی تصوف ۱۲۱/۱۶۱

۳۱ خلیق احمد نظامی، سم اسپیکٹس آف ریلیجن اینڈ پالیٹیکس ان انڈیا ڈیورنگ دی تھرٹینتھ سینچری۔ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۱ء ص ۳۷۶۔

۳۲ سرور الصدور ورق ۶۰۔

کر پائے۔ بعض لوگوں نے سرور الصدور کی ترتیب کا سہرا سلطان التارکین کے پوتے شیخ محی الدین یا شیخ قطب الدین کے سر باندھا ہے[۳۳]۔ مجمع الاولیار کے فاضل مصنف محمد اکبر حسینی اردستانی اسے شیخ فرید الدین محمود بن شیخ عبدالعزیز بن سلطان التارکین کی تصنیف بتاتے ہیں[۳۴]۔ ہمارے خیال میں یہی قول راجح ہے۔

جامع ملفوظات شیخ فرید الدین محمود چشتیہ سلسلہ میں اپنے عظیم المرتبت دادا سلطان التارکین کے مرید تھے۔ حضرت نے اپنے پوتے اور مرید کی تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ کی تھی[۳۵]۔ موصوف اوائل عمر سے ہی بڑے عابد و زاہد اور شب بیدار تھے۔ سلطان التارکین فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس بات پر شرم آتی ہے کہ جب وہ رات کو تہجد ادا کرنے کے لیے بیدار ہوتے ہیں تو وہ فرید کو عبادت میں مشغول پاتے ہیں[۳۶]۔

سرور الصدور کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ شیخ فرید الدین محمود بڑے صاحب ذوق انسان تھے۔ اور وہ عربی، فارسی اور ہندی میں بڑے بڑے اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کے اشعار سرور الصدور میں موجود ہیں۔

محمد اکبر حسینی اردستانی لکھتے ہیں کہ فرید الدین ناگوری سلطان التارکین کے بڑے فرزند شیخ عبدالعزیز کے نورِ نظر تھے۔ موصوف محمد بن تغلق کے عہد میں دہلی تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے سو برس کے لگ بھگ عمر پائی اور دہلی میں فوت ہوئے۔ اُن کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب واقع ہے[۳۷]۔

سرور الصدور کی اہمیّت

سرور الصدور میں تیرھویں صدی کی بعض اہم شخصیات کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات درج ہیں۔ سلطان التارکین نے سلطان شمس الدین التمش، قاضی منہاج، فخر ناقلہ، حسام درویش، بخیب الدین بخشی اور قاضی حمید الدین ناگوری کا ذکر بڑے عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔ یہ سبھی حضرات اُن کے ہم عصر تھے۔ اس لیے اُن کے بارے میں اِن کی

۳۳ایضاً، دیباچہ، ورق ۵۔

۳۴محمد اکبر اردستانی، مجمع الاولیار، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن۔ ایتھے ۶۴۵۔ ورق ۶۱۴ ب۔
"ملفوظات شیخ حمید الدین او جمع نمودہ سرور الصدور نام کردہ است"

۳۵ایضاً، ورق ۶۱۳ ب

۳۶سرور الصدور، ورق ۱۱

۳۷محمد اکبر حسینی اردستانی، مجمع الاولیاء، ورق ۶۱۴ الف۔

آراء بڑی مستند سمجھی جاتی ہیں۔

اسی طرح سرور الصدور کے مطالعہ سے برصغیر میں قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیوں، معیارِ تعلیم اور علمی فضا کے بارے میں بھی بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول سرور الصدور اس عہد کے مذہبی خیالات اور رجحانات کا پورا اعتماد مرقع ہے[۳۸] علی اکبر حسینی اردستانی رقمطراز ہے کہ سرور الصدور میں سلطان التارکین کے ستائیس برسوں کے فوائد، معارف اور لطائف درج ہیں[۳۹] ہمارے خیال میں ان ملفوظات کو چشتیہ سلسلہ کی تعلیمات کا مرقع سمجھنا چاہیئے۔

جن اولیاء اللہ نے سلطان محمد بن تغلق کے دباؤ کے تحت سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی، جامع ملفوظات نے اُن کے خلاف خوب جی بھر کر لکھا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ فاضل مرتب سلطان کی ملازمت کو تو معیوب سمجھتے ہیں لیکن سلطان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے اور اُس سے جاگیریں لینے کو بُرا نہیں جانتے۔ یہ بات یاد رہے کہ سلطان محمد بن تغلق کی ایک بیٹی بی بی راستی کی شادی سلطان التارکین کے پڑپوتے شیخ فتح اللہ بن شیخ اوحد الدین بن شیخ فرید الدین کے ساتھ ہوئی تھی[۴۰] اس شادی سے پہلے سلطان محمد بن تغلق اور دولہا میاں کے دادا شیخ فرید الدین کے درمیان کئی خطوں کا تبادلہ ہُوا تھا۔ اتفاق سے یہ خط وکتابت "رسائل سلطان التارکین" میں محفوظ ہے۔ اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اُسے شائع کر دیا ہے[۴۱]۔

سلطان التارکین کا عقیدہ

یہ بات عام مشہور ہے کہ چشتیہ سلسلہ کے اکثر و بیشتر بزرگ تفضیلی عقیدہ رکھتے ہیں۔ شاہ نیاز احمد بریلوی، خواجہ حسن نظامی، اور ان کے خلفاء سجادہ نشینانِ پھلواری، کاکوری اور بدایوں کو سنی ثابت کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کی اکثریت کے برخلاف سلطان التارکین صحیح سُنی عقیدہ رکھتے تھے۔ موصوف نے اپنی ایک مجلس میں حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ کے حلم اور بُردباری کی بڑی تعریف کی ہے[۴۲]

---

[۳۸] خلیق احمد نظامی، سم اسپیکٹس آف ریلیجن اینڈ پالٹکس ان انڈیا ص ۲۷۰۔

[۳۹] محمد اکبر حسینی اردستانی، مجمع الاولیاء، ورق ۲۱۴ الف

[۴۰] رسائل سلطان التارکین مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، فارسی تصوف ۱۲/۱۹۱ ورق ۱۲۷۔

[۴۱] خلیق احمد نظامی، مڈیول انڈیا۔ اے مسلینی، ج ۱۔ ص ۳۱۵ - ۳۱۱ -

[۴۲] سرور الصدور، ورق ۸۳ -

سلطان التارکین کا ذوقِ مطالعہ

سرور الصدور میں سید علی ہجویری، امام ابو القاسم قشیری اور جناب رضی الدین صغانیؒ کا ذکر آیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کی تصانیف سلطان التارکین کے مطالعہ میں رہ چکی تھیں۔ سرور الصدور کے مندرجات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ اور بڑی بلند پایہ کتابیں اُن کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ سرور الصدور میں الکشاف، مشارق الانوار، نہج البلاغۃ، سیر الملوک، تفسیر زاہدی، مصباح الدجیٰ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات (فوائد الفواد) کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس پایہ کی علمی کتابیں سُوالی جیسے دُور افتادہ گاؤں میں بھی دستیاب تھیں۔

نذر و فتوح

جامع ملفوظات بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلطان التارکین نذر و فتوح میں تصرف نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی ارادت مند اُن کے لیے کوئی تحفہ لاتا یا نذر پیش کرتا تو آپ اس کی دلداری کے لیے اسے قبول کر لیتے۔ لیکن اُسے اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے کسی نیک کام میں صرف کر ڈالتے۔[۵۳]

یادِ الٰہی

ملفوظات کے ایک اندراج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان التارکین کا زیادہ وقت دشت و صحرا میں گزرتا تھا۔ جہاں وہ خلقِ خدا سے الگ تھلگ ہو کر صرف یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔[۵۴]

فقر و تجرد

شیخ فرید الدین محمود رقمطراز ہیں کہ انہوں نے ایک روز خلافِ معمول سلطان التارکین کو برہنہ سر دیکھا تو تعجب سے اس کا سبب پُوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اُنہوں نے گذشتہ شب خواب میں دیکھا ہے کہ آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں اور اُن کے ہاتھوں میں ایک رجسٹر ہے جس میں وہ مجردوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ جب وہ گھومتے پھرتے اُن کے پاس پہنچے تو اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ حمید کا نام بھی مجردوں میں لکھ لو۔ اس نے جواب دیا کہ وہ تو ابھی تک چار گز کپڑا سر پر باندھے ہوئے ہے۔ اس حالت میں اس کا نام کیونکر مجردوں کے زمرے میں لکھ لے؟ جب سلطان التارکین نے فرشتوں کی یہ گفتگو سُنی تو اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور سر سے پگڑی اُتار پھینکی۔ پگڑی سر سے گرتے ہی فرشتوں نے ان کا نام مجردوں کے زمرے میں لکھ لیا اور آسمان کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اُن کی پگڑی زمین پر پڑی ہے۔[۵۵]

(جاری ہے)

---

۵۳ ایضاً، ورق ۹   ۵۴ ایضاً   ۵۵ ایضاً